اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۷، شمارہ۴، مسلسل شمارہ:۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

اختر محی الدین-کشمیری افسانے کا معمارِ اول

ثمینہ کوثر، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر کشمیریات
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

AKHTAR MOHIUDDIN
PIONEER OF KASHMIRI SHORT STORIES

Samina Kausar, PhD
Assistant Professor of Kashmir Studies
Punjab University Oriental College, Lahore

Abstract

The short story started in Kashmiri language in the middle of the 20th century with the arrival of Progressive Movement. Kashmiri writers and poets were greatly inspired by this movement and started writing in Kashmiri language. Real life presentation of the prevailing situation is the hallmark of their writing. Akhtar Mohiuddin was the first short story writer of Kashmir who portrayed the contradictions of the middle class and the pulsating life among the backward class in his short stories. He started writing in Kashmiri and contributed greatly. It’s why he is remembered to be the pioneer of Kashmiri short story.

Keywords:
Akhtar Mohiuddin, Progressive Movement, Kashmiri, poets, short story

کشمیری افسانے کا آغاز آزادی(۱۹۴۷ء) کے بعد اُس وقت ہوا جب ملک میں مختلف سیاسی جماعتیں اور تنظیمیں سرگرم عمل تھیں۔ یہ وہ دور تھا جب ہر طرف ایک ہی ادبی تحریک بڑے پیمانے پر سرگرمِ عمل تھی اور وہ ترقی پسند تحریک تھی۔ ریاست جموں و کشمیر میں جن ادیبوں نے نثر کی کمی کو محسوس کر کے کشمیری زبان میں افسانہ لکھنے کا آغاز کیا وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اس تحریک کے ساتھ وابستہ تھے۔ چناں چہ کشمیری افسانے کا آغاز بھی ترقی پسند تحریک کے ساتھ ہی ہوا۔ ۱۹۵۰ء میں پہلا کشمیری افسانہ لکھا گیا۔ سوم ناتھ زُتشی (۱۹۲۳ـ۱۹۹۶ء) نے 'پیلہ پھول گاش' کے عنوان سے پہلا کشمیری افسانہ لکھا۔ مگر افسانے کی اس صنف کو ادب کی نئی راہوں سے متعارف کروانے کا سہرا اختر محی الدین کے سر ہے۔

غلام محی الدین وانی المعروف اختر محی الدین سری نگر میں ۱۷۔اپریل ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوئے اور ۲۰۰۱ء میں وفات پائی۔ اختر محی الدین کشمیری زبان کے ایک قد آور افسانہ نگار تھے۔ وہ بچپن سے ہی ترقی پسند نظریے سے متاثر تھے اور ترقی پسند تحریک میں بھی سرگرم رُکن کے طور پر شامل رہے۔ ابتدائی دور کے متعلق لکھتے ہیں:

> اَسی نیشنل کانفرنس منز اکھ الگ گروپ یِم پانس کیمونسٹ ونان اَسی۔ مگر عام سیاسی کارکن اَسی ریژھ پاٹھی، پونگہ ونان، اسہِ پونگن آسہِ زِ چھلہِ اکھ چھَل اُس U.C.B تہِ بیاکھ N.P.H یو سی بی اَسی تِمن ونان یِم سیاستس کم تہ کلچر زیادہ اہمیت دِہن۔ بہ اُوسس یو، سی بی رِین ستی۔(۱)

ترجمہ: نیشنل کانفرنس میں ایک الگ گروپ تھا جو اپنے آپ کو کمیونسٹ کہتے تھے مگر عام سیاسی کارکن بِگل بجانے والے چھیڑتے تھے۔ ہم بگل بجانے والوں کے دو دھڑے تھے ایک دھڑا U.C.B اور دوسرا N.P.H ،یو، سی، بی اُن کو کہا جاتا تھا جو سیاست کو کم اور کلچر کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اور میرا تعلق یو، سی، بی کے ساتھ تھا۔

اختر محی الدین نے کشمیری زبان میں افسانے کی روایت مستحکم کی۔ اختر صاحب نے ۱۹۴۹ء میں بی۔اے کرنے کے بعد پہلے اُردو میں افسانہ لکھا۔ ۱۹۵۴ء میں ہندوستان میں اُردو افسانے کا عالمی مقابلہ منعقد ہوا جس میں ان کے اُردو افسانے "پونڈرچ" کو دوسرے انعام سے نوازا گیا۔ بہ قول اختر محی الدین:

> "۱۹۵۴ء میں "پونڈرچ" افسانہ کو عالمی افسانہ مقابلے میں اُردو کا دوسرا بہترین افسانہ قرار دیا گیا۔ "پونڈرچ" نہ صرف ایک نئے افسانہ نگار کی دریافت تھی بل کہ افسانہ لکھنے کے ایک نئے انداز کی بھی۔"(۲)

”پونڈرچ“ کے علاوہ اختر صاحب نے جو اُردو افسانے لکھے اُن میں ”بھاؤ گر رہے ہیں“، ”رات مرگئی“ اور ”پیوند“ شامل ہیں۔ یہ تمام افسانے ترقی پسند ادبی انجمن کے ترجمان رسالے **کونگ پوش** میں ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۵۵ء تک شائع ہوئے۔

۱۹۵۶ء میں اختر محی الدین کے افسانوں کا پہلا مجموعہ **ست سنگر** کے نام سے چھپا جس میں سات افسانے شامل تھے۔ چھ ان کے اپنے لکھے ہوئے تھے اور ایک افسانہ ترجمہ شدہ تھا جو انھوں نے موپساں کے افسانے A Piece of String سے لیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے افسانوں کا دوسرا مجموعہ **سونزل** کے نام سے شائع کروایا۔ ان افسانوں نے کشمیری افسانہ نگاری کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا۔

یوں اختر محی الدین پہلے افسانہ نگار ہیں جنھوں نے اس صنف کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اختر محی الدین کشمیری افسانے کے باوا آدم ہیں۔(۳)

اختر محی الدین کے پہلے مجموعے **ست سنگر** کو ساہتیہ اکادمی کی طرف سے ۱۹۵۸ء میں کشمیری افسانوی ادب میں پہلا انعام بھی ملا۔ یہ پہلی کشمیری کتاب تھی جس کو انعام ملا، بہ قول شفیع شوق:

> ’ست سنگرءکی‘ افسانہِ چھِ گو ڈنکہِ پھر حقیقت پسندی ہند معیار برونٹھ کُن انان یمیہ باپت ترقی پسند تحریک وجود س آمژ اس۔(۴)

ترجمہ: **ست سنگر** کے افسانے پہلی مرتبہ حقیقت پسندی کے معیار کو سامنے لاتے ہیں جس کے لیے ترقی پسند تحریک وجود میں آئی تھی۔

اختر محی الدین کو اپنے اولین کشمیری افسانوی مجموعے **ست سنگر** پر انعام اُس وقت کے ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو(۱۸۸۹۔۱۹۶۴ء) نے دہلی میں عطا کیا تھا۔

پروفیسر جے ایل کول **ست سنگر** کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں جو افسانے ہیں، اُن کا تعلق ماحول کے ساتھ اندرونی خلفشار، یادگار حالات اور کرداروں کے ساتھ بھی ہے۔ زندگی کے حقیقی رنگوں کی تصویر کشی اور گہرا سماجی شعور **ست سنگر** میں موجود ہے۔ اُن کے دو افسانے ” دندوزن“ اور ”دری یایہ ھند بیزار“ اُن کی اب تک کی بے مثال تخلیق ہیں۔(۵)

اختر محی الدین کلچرل فرنٹ (Cultural Front) اور کلچرل کانگرس (Cultural Congrus) کے متحرک کارکن بھی رہے۔ کشمیر کے نام ور ادیب، شاعر اور صحافی غلام نبی خیال (۱۹۳۹ء)

جو کشمیر میں ترقی پسند تحریک کے دور میں ایک اہم کارکن رہے ہیں، اختر محی الدین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ کشمیری افسانوی ادب میں معمارِ اول کا درجہ رکھتے ہیں۔(۶)

۱۹۵۷ء میں اختر صاحب نے **دودہ دگ** ناول لکھا۔ ان کے افسانوں کا ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ **زوتہ زولن** کے نام سے ان کا ناول قسط وار کشمیری رسالے **چمن** میں چھپتا رہا۔ انھوں نے اسٹیج اور ریڈیو کے کئی ڈرامے لکھے۔ ۱۹۶۳ء میں انھوں نے پشکر بھان کے ساتھ مل کر کہانیوں کی کتاب بھی مرتب کی۔ ۱۹۷۲ء میں اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں پدم شری ایوارڈ سے نوازا گیا۔

اختر محی الدین جہاں نچلے طبقے کے نمائندہ بن کر ان کے مسائل کو پیش کرتے ہیں، وہیں وہ سچا انسان پہچاننے کی آگہی بھی پیدا کرتے ہیں۔ رویوں کی انھی تبدیلیوں کی بہ دولت انھوں نے ''دندوَزُن'' جیسا شاہ کار افسانہ لکھا جس میں برسیی واتل اور اَشم کی شکل میں پورے انسان کی ذات کو بیان کیا گیا ہے، جو کبھی ناری ہوتا ہے تو کبھی نوری، اپنی غربت میں بے بس اور لاچار اور کبھی رات گئے جذبات میں ڈوبا ہوا انسان بن جاتا ہے۔ یہ چیزیں ایک عام سی زندگی گزارنے والے انسان کی کہانی ہے جس کی زندگی کا ہر لمحہ کسی نہ کسی تکلیف سے گزر رہا ہوتا ہے۔ ''دندوزُن'' میں بھی اختر محی الدین نے ایسے ہی ایک غریب خاندان کی کہانی بیان کی ہے جو غربت اور بے چارگی میں جیسے تیسے اپنے زندگی کے معاملات پورے کرتے ہیں جس کے لیے اکثر اوقات وہ مقروض ہی رہتے ہیں اور ان کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی خواہشات اذیت ناک غربت کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ افسانے میں جب برسیی چمار پائے پکانے کے لیے لاتا ہے تو پیسوں کے معاملے میں میاں بیوی کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے:

> چولہے کا نام سن کر برسیی کو پائے کا سالن یاد آگیا اس کے دل میں حسرت اُٹھی۔ سوچنے لگا کہ آج کتنے عرصے کے بعد پائے لایا تھا مگر اس چڑیل نے وہ بھی ناک سے باہر نکالے اور اشم کی طرف اٹھا اور کہا کہ تمھیں صبح ہی طلاق دوں گا، رہنا اپنے باپ کے گھر۔(۷)

اختر محی الدین نے نچلے طبقے کے لوگوں کے حوالے سے کسی بات کو چھپایا نہیں بل کہ کھلے اور مؤثر الفاظ میں ان کے ترجمان بنے ہیں۔ انھوں نے افسانے کو ایک الگ اور خود مختار شکل دی ہے۔ اس لیے جب 'دندوُزن' میں برسیی چمار کی پائے کی پکی ہوئی ہنڈیا چولہے پر سے غائب ہو جاتی ہے تو یہی دونوں میاں بیوی کے لڑنے والے کردار ایک دوسرے کی ڈھارس بن جاتے ہیں:

> دیر رات کو جب سب اپنے گھروں میں سوئے ہوئے تھے۔ برلیں چمار اشم کے سر کے زخم کے اوپر ہلدی لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ پھر ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ گھر میں لڑائی جھگڑا نہیں ہونا چاہیے، اس کے ساتھ گھر میں نحوست آتی ہے۔ اُشم کہتی ہے کہ کس طرح اُس گل بد معاش نے پائے کا سالن کھایا۔ جس نے یہ کھایا ہے اس کو بکرے کی طرح آپ کے صدقے کروں۔(۸)

یوں افسانہ نگار نے جس افسانے کا آغاز لڑائی جھگڑے سے کیا تھا، اس کا اختتام پیار و محبت پر کر کے انسانی فطرت کو بیان کیا ہے کیوں کہ یہی انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے جذبات سے کبھی الگ نہیں رہ سکتا۔ خاص طور پر نچلے طبقے کے لوگوں کی زندگی میں ان کے جذبات کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے اور اس کا اظہار ہی افسانہ نگار کا کمال ہے۔

دوسری طرف اپنے افسانے میں وہ عام لوگوں کی زندگی میں ہونے والے واقعات کو بیان کر کے کشمیریوں کو سبق دے رہے ہیں کہ اس آپسی انتشار ہی کی وجہ سے آج تم پر غیر ملکی قابض ہیں اور تمھاری ملکیت کی چیزیں بھی انھوں نے اپنے قبضے میں لے لی ہیں جیسا کہ ایک بد معاش پائے کا سالن چوری کرتا ہے، صرف لڑائی جھگڑے کا فائدہ اٹھا کر اس لیے کشمیریوں کو آپس میں نااتفاقی چھوڑ کر ان استحصالی قوتوں کے خلاف متحد ہونا پڑے گا ورنہ یوں ہی لوگ ان کے بنیادی انسانی، معاشی اور سیاسی حقوق پر ڈاکا ڈالتے رہیں گے۔

"دری یا یہ ھندییزار" بھی اسی قسم کا ایک اور شاہ کار افسانہ ہے۔ اس افسانے کا ماحول شہر کے ایک ایسے گھر کے گرد گھومتا ہے جس میں ٹوپیاں تیار کی جاتی ہیں۔ اختر محی الدین نے اس میں ماضی کی یادوں کو اس کا حصہ بنایا ہے۔ ستر سال کا نبر شال دھوپ میں بیٹھ کر سلائی کا کام کر رہا ہوتا ہے اور ساتھ ہی ہکلاتے ہوئے گانا بھی گا رہا ہوتا ہے۔ اسی دوران اس کو قینچی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے آگے اس کی گھر والی خوتن دید بیٹھی ہوتی ہے۔ وہ گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر اُٹھتی ہے اور قینچی کو تلاش کرتی ہے۔ اسی دوران میں اس کی نظر ایک پرانی گٹھڑی میں اپنی دلہن کے جوڑے کی سُرخ شلوار پر پڑتی ہے تو اسے ایک دم اپنی جوانی کا زمانہ یاد آجاتا ہے۔ نبر شال یہ دیکھ کر اندر آجاتا ہے اور اس کو پہننے کے لیے کہتا ہے۔ اس غیر متوقع صورتِ حال میں انسانی نفسیات کو بیان کیا گیا ہے کہ اس کی جمالیاتی حس کسی وقت بھی بیدار ہو سکتی ہے:

> وہ خاموش رہی کیا کہتی ہو؟ نبر شال کو ایک دم جوش آیا، اس نے ٹانگوں سے چادر ہٹائی اور کندھے پر چادر ڈال کر خوتن دید کے سامنے آگیا۔(۹)

یہ جان کر کہ خوتن دید اسے ضرور پہنے گی، وہ بازار سے پاؤ بھر بڑا گوشت لاتا ہے۔ وہ اس کو پکانے کے لیے بیٹھتا ہے تو دوسری طرف خوتن دید شلوار پہنتی ہے۔ جب وہ پہن کر شرما شرما کر چل رہی

ہوتی ہے تو اس کا پاؤں ایک رسی میں پھنس جاتا ہے اور وہ گر جاتی ہے۔ نبر شال اس کو اٹھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ مانتی نہیں۔ اسی تکرار میں وہ جذباتی ہو جاتے ہیں تو دوسری طرف داماد کمرے میں اچانک داخل ہوتا ہے بزرگوں کی جیسی چوری پکڑی جاتی ہے۔ ہکلاتے ہوئے نبر شال کہتا ہے۔

اشِہ کیا چوے کئیہ !...... شاۓِ پننہ پننہ شایہ پاشا۔(۱۰)

ترجمہ: ہم نے کیا کیا۔ ہم اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔

اختر محی الدین نے ایک خاص واقعے پر افسانہ تخلیق کیا۔ میاں بیوی کا رشتہ ایسا ہے کہ جس کے ساتھ ہر انسان کی کچھ نہ کچھ یادیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اس لیے کسی بھی طبقے کے لوگ ہوں، اس رشتے سے جڑی کھٹی میٹھی باتوں سے انکار نہیں کرسکتے ہیں۔ اختر محی الدین کی انھی فن کارانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے شفیع شوق لکھتے ہیں کہ ”اس میں افسانہ نگار نے خود کچھ بیان نہیں کیا ہے مگر کرداروں کے دل و دماغ میں گھس کر ان کے پورے وجود کو دریافت کیا ہے اور یہی افسانہ نگار کا کمال ہے۔“(۱۱) ان خصوصیات کی بہ دولت اختر محی الدین نے کشمیری افسانوی ادب میں ایک بلند مقام حاصل کر لیا ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار یادگار زندگی کے حامل ہیں کہ جن کو جس عہد میں بھی پڑھا جائے وہ اسی کے کہلائیں گے۔ بہ قول رتن لال شانت:

اختر سندین افسانن ہنز گوڈنچہ سومرنہ ”ست سنگر“ ھند افسانہ ”دری یایہ ھندیزار“ چھ اکھ خاۓلص انسانی حالژ ھنز وکھنے کران تہ کاۓشر افسانچہ نوترایہ ہنز شیچھ ونان۔ یہند سیئتھ گوو کاۓشرس افسانس اکھ نووتہ ایماندار دور۔(۱۲)

ترجمہ: اختر محی الدین کے ابتدائی مجموعے **ست سنگر** کا افسانہ ”دری یایہ ھندیزار“ ایک خالص انسانی حالت کو بیان کرتا ہے اور کشمیری افسانے کی ایک نئے طرز بیان کی خبر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کشمیری افسانے کا ایک نئے اور ایمان دار عہد کا آغاز ہو گیا۔

گویا اختر محی الدین نے کشمیری افسانے کو حقیقت پسندی کے مزاج سے آشنا کیا اور وہ راستہ جو سوم ناتھ زُتشی نے تلاش کیا تھا، اختر محی الدین نے اُس کو ہم وار کرنے کا اہم کارنامہ سرانجام دیا۔ گویا ایک کے سر ایجاد کاری کا اور دوسرے کے سر ایجاد کو درست راستے پر گام زن کرنے کا سہرا ہے۔(۱۳)

’آدم چُھ عجب ذاتھ‘ یعنی انسان کی ذات عجیب ہے۔ جب یہ افسانہ شائع ہوا تو اس رسالے کے مدیر نے اس کے بارے میں لکھا کہ اختر کے افسانے سے متعلق صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ابھی جب

کہ کشمیری افسانے کی عمر جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئی، وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جب کشمیری افسانہ پختگی کی بہت سی منزلیں طے کر چکا ہو گا، اس وقت بھی آدم چھُ عجب ذاتھ، کشمیری زبان کے بہترین افسانوں میں شمار ہو گا۔ موضوع اور اسلوب دونوں کے بے باک حسن نے اس افسانے کو اختر کے فن کا سنگ میل بنا دیا ہے۔(۱۴)

'آدم چھ عجب ذاتھ' میں ملاح سبحان میم کے قتل کے الزام میں گرفتار ہو جاتا ہے وہ اپنی ساری رُوداد عدالت میں سناتا ہے۔ ملاح سبحان کا بیٹا جو فطرت کا پرستار ہوتا ہے، فوج میں چار سال نئی بھرتی کے طور پر رہنے کے بعد جب کشمیر واپس آیا تو دیوانگی کی حد تک کشمیر کی مٹی، یہاں کے پہاڑوں، ندی نالوں، آب شاروں اور جانوروں پر فدا ہو گیا۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> رمضانہٖ اوس حاٸران گژھان زلوکن کو نہ چھُ اَمہِ حُسنکُ ایحساس۔ تمُی کرِواریاہ لٹِہ مول سمجاونچ کوشش۔ وُچھو بَبا۔ ہُہ اوبر لونگ۔ زنتہ میون روح چھُ وُڈان۔ ببا۔ ببا۔ ہر موکھس سونہ دستار گنڈ تھ َماون۔(۱۵)

ترجمہ: رمضان حیران ہوتا تھا کہ لوگوں کو اس کے حسن کا کیوں احساس نہیں۔ اس نے کئی مرتبہ اپنے باپ کو سمجھانے کی کوشش کی، دیکھو ابا وہ بادل اُڑ رہا ہے ایسے لگتا ہے جیسے میری رُوح اُڑ رہی ہو۔ ابا ابا یوں لگتا ہے کہ ہر موکھ چوٹی کو سونے کی دستار بندھی ہوئی ہے۔

مگر ملاح سبحان کو اپنے بیٹے کی باتوں کی کوئی سمجھ نہیں آتی تھی۔ یہ وہی بیٹا تھا جس کو کشمیر میں کوئی قابل دید چیز نظر نہیں آتی تھی اور وہ کہتا تھا کہ نہ جانے ان غیر ملکی لوگوں کو یہاں پر کیا خاص چیز نظر آتی ہے کہ ادھر دوڑے چلے آتے ہیں۔

اُس کو ہنسی آتی تھی کہ یہ میم اور صاحب کیا دیکھنے کے لیے کشمیر میں آتے ہیں ان کے ملک میں ریل، جہاز، کارخانہ، بم، جنگ اور کئی چیزیں ہیں اور یہاں کیا ہے؟ نحوست۔ ارد گرد پہاڑ اور درمیان میں جھیل ڈل۔ کسی حد تک ایک بازار دیکھنے کے قابل ہے اور وہاں بھی کیا ہے۔ رمضان کو وہ تمام بے وقوف نظر آتے ہیں جو اپنا ملک چھوڑ کر کشمیر کی نحوست دیکھنے کے لیے آتے تھے۔(۱۶)

لیکن جب رمضان جرمنی کے ساتھ جنگ میں شرکت کے لیے گیا اور دنیا کی تلخ حقیقت اور گم راہ کن انسانیت کو دیکھا اور جن چیزوں کو وہ ترقی کی علامت سمجھتا تھا وہی انسانیت کی تباہی کا سامان نظر آیا

تو اس کو اپنا وطن جنت کا نمونہ لگا اور اُس کی محبت میں دیوانگی کی حد تک ڈوب گیا۔ جب سردی کا موسم آیا تو وہ اس کا حسن ختم ہونے پر دیوانہ ہو گیا، اندر ہی اندر گھلتا رہا اور آخر میں موت کی وادیوں میں ہمیشہ کے لیے کھو گیا۔

یہ کہانی جب اس کا باپ ایک سیاح خاتون کو سناتا ہے جو فطرت کی بہت بڑی پرستار ہے تو وہ یہ کہانی سن کر ایک پہاڑی چوٹی کی طرف دوڑتی ہے اور چوٹی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لیتی ہے:

میم صاحبہ کھڑی ہو گئی۔ اس نے نیچے کی طرف دیکھا اور پھر یہ کہتے ہوئے چھلانگ لگا دی: رمضان رہبر ہے۔ جسم سے روح آزاد کر کے حسن میں تقسیم کرنا زندگی ہے۔ مجھے زندگی مل گئی۔(۱۷)

اپنے اس افسانے میں اختر صاحب نے انسانی فطرت کو بیان کیا ہے کہ وہ کسی رنگ و نسل یا سرحدوں کی پابند نہیں ہے۔ اگر ایک طرف غریب اور غلام ملک کا عام آدمی فطرت کا دیوانہ ہے تو دوسری طرف ایک آزاد اور امیر ملک کی ایک آزاد عورت بھی اسی فطرت کی دیوانی ہے۔ اختر محی الدین کے انھی افسانوں کی بہ دولت کشمیری افسانے کو نئی راہیں ملیں۔ بہ قول رینا:

> There is freshness of theme and style and a marked sensibility. His diction is remarkably fresh and there are unforgetable characters. (18)

’دندُوزن‘، ’دُری یا یہ ہندیبزار‘ اور ’آدم چھُ عجب ذاتھ‘ جیسے افسانوں کو کشمیری ادب میں ایک شاہ کار کی حیثیت حاصل ہے۔ بہ بقول مشعل سلطان پوری:

> ان میں واقعات کی خوب صورت اُٹھان، کرداروں میں ارتقا اور مکالمات کی بے ساختگی بالکل فطری نظر آتی ہے۔ ان افسانوں میں فنی لحاظ سے کوئی خامی نظر نہیں آتی بل کہ ہر لحاظ سے آراستہ اور مکمل نظر آتے ہیں۔(۱۹)

اختر محی الدین نے اپنے ابتدائی افسانوں کو ترقی پسند تحریک کے زیر اثر لکھا۔ انھوں نے ترقی پسند تحریک کی سب سے بڑی خوبی حقیقت پسندی کو اپنایا اور اپنے افسانوں میں اسے پیش کرنے کی کوشش کی۔ بہ قول ساجد:

> اختر نے اس کو موضوعی رنگارنگی عطا کی اور اس کو بلندی پر پہنچا دیا۔ ان کے افسانوں نے کشمیری زبان میں افسانے کی اصل روایت قائم کی۔ اختر ہر طرح کے افسانے لکھتے رہے اور نئے نئے تجربات کر کے اس کو نئے نئے زاویوں سے متعارف کرواتے رہے۔(۲۰)

اختر وہ پہلے کشمیری ادیب ہیں جنھوں نے کشمیری افسانے کو ایک سنجیدہ صنف کے طور پر استعمال کیا اور مسلسل افسانے لکھے۔ اختر نے عین اُس وقت اردو میں لکھنا ترک کر دیا جب وہ آل انڈیا مقابلے میں اپنی کہانی پر انعام پا چکے تھے۔ کشمیری زبان میں لکھنے کا فیصلہ بہ ظاہر کوئی دانش مندانہ فیصلہ نظر نہیں آرہا تھا، کیوں کہ تعلیم یافتہ طبقہ تو کشمیری زبان کو قابل اعتنا ہی نہیں سمجھتا تھا۔ اختر کو اپنی زبان کی کم مائگی اور تنگ دامنی کا احساس تھا، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے دامن کو وسیع کرنے کی لگن بھی تھی۔ اختر محی الدین نے کشمیری زبان وادب کو جو وسعتیں بخشیں وہ کشمیر کی علمی ادبی اور ثقافتی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب تو ہے ہی خود کشمیری زبان نے بھی اختر کو بہت کچھ دیا ہے۔(۲۱)

گویا اختر محی الدین نے نہ صرف کشمیری افسانے کو نئی ڈگر پر چلنا سکھایا ہے بل کہ اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کشمیری ادب میں گراں قدر اضافہ بھی کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) شفیع شوق،ناجی منور،کاشر زبان تہ ادبک تواریخ،(سرینگر:علی محمد اینڈ سنز، طبع سوم ۲۰۱۲ء)،۳۸۷۔

(۲) اختر محی الدین، افسانک عالمی معیار تہ کاشر افسانہ، مشمولہ انہار ،(سرینگر: کاشر ڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی، ۱۹۸۱ء)،۵۹۔

(۳) محمد یوسف بخاری، کشمیری زبان و ادب کی مختصر تاریخ، (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۲ء)،۳۷۳۔

(۴) شفیع شوق،ناجی منور،کاشر زبان تہ ادبک تواریخ،۳۸۸۔

(۵) غلام نبی خیال، اختر محی الدین، (سرینگر:جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، کشمیر، ۲۰۱۲ء)،۱۳۔

(۶) ایضاً،۴۴۔

(۷) اختر محی الدین، دندوزن، مشمولہ افسانہ مجموعہ،(سرینگر: شعبہ کشمیری، کشمیر یونیورسٹی، حضرت بل، ۱۹۹۵ء)،۱۳،۱۲۔

(۸) ایضاً،۱۹۔

(۹) اختر محی الدین، دری پایہ ھند بیزار ،(سرینگر:جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی، ۲۰۱۲ء)،۱۲۸۔

(۱۰) ایضاً، ۱۲۸۔

(۱۱) شفیع شوق،ناجی منور، کاشر زبان تہ ادبک تواریخ،۳۸۸۔

(۱۲) رتن لال شانت نثرچ کتاب،(سرینگر: کاشرڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی، حضرت بل،۱۹۸۱ء)،۳۱۔

(۱۳) مشعل سلطان پوری، کاشر نثرکی تعمیرکار، (سرینگر: کاشر ڈیپارٹمنٹ، کشمیر یونیورسٹی، ۱۹۸۲ء)،۱۱۳۔

(۱۴) شمیم احمد شمیم، ''آدم چھ عجب ذاتھ''ماہنامہ تعمیر، (سرینگر:۱۹۵۹ء)،۴۷۵۔

(۱۵) اختر محی الدین، آدم چھُ عجب ذاتھ، مشمولہ افسانہ مجموعہ،۲۹۔

(۱۶) ایضاً،۲۵۔

(۱۷) ایضاً،۴۵۔

(18) Trilok Nath Raina, *A History of Kashmir Literature*, (Delhi: Sahitya Akadamy, 2002),194.

(۱۹) مشعل سلطان پوری، کاشر نثرکی تعمیر کار،۱۱۴۔

(۲۰) مقبول ساجد، سرینگر کی افسانہ نگار، مشمولہ سون ادب،(سرینگر: جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی، ۲۰۰۹ء)،۲۷۔

(۲۱) شمیم احمد شمیم، شیرازہ، (سرینگر: جموں اینڈ کشمیر کلچرل اکیڈمی، ۲۰۰۹ء)،۴۲۰۔۴۲۱۔

BIBLIOGRAPHY

- Akhtar Mohiuddin, *Afsanak ‘Alami Mi’yār te Kashir Afsana*, (Incl.) Anhar, (Srinagar: Kashir Department, Kashmir University, 1981)
- Akhtar Mohiuddin, *Dari Yaya Hind Yezar*, (Srinagar: Jammu & Kashmir Cultural Academy, 2012)
- Ghulam Nabi Khayal, *Akhtar Moḥiuddīn*, (Srinagar: Jammu & Kashmir Academy of Art, Culture and Languages, Kashmir 2012)
- Maqbool Sajid, *Srinagar ki Afsana Nigar*, (Incl.) Soon Adab (Srinagar: Jammu & Kashmir Cultural Academy, 2009)
- Mashal Sultan Puri, *Kashir Nasrki T’amīrkar*, (Srinagar: Kashir Department Kashmir University, 1982)
- Muhammad Yousuf Bukhari, *Kashmirī Zaban-o-Adab ki Mukhtaṣar Tarīkh*,(Islamabad: Muqtadra Qaumi Zaban, 2012)
- Ratan Lal Shaant, *Nasrach Kitāb*, (Srinagar: Kashir Department, Kashmir University, Hazrat Bal, 1981)
- Shafi Shauq, Naji Munawwar, *Kashir Zabān te Adabak Tavarīkh*, (Sarinagar: Ali Muhammad and sons, 2012)
- Shamim Ahmad Shamim, *Shirāza*, (Srinagar: Jammu & Kashmir Cultural Academy, 2009)
- Trilok Nath Rain, A History of Kashmir Literature, (Delhi: Sahitia Academy, 2002)

❖❖❖